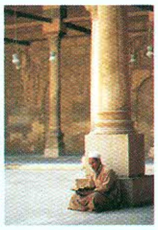

عالم اسلام اور اجتہاد

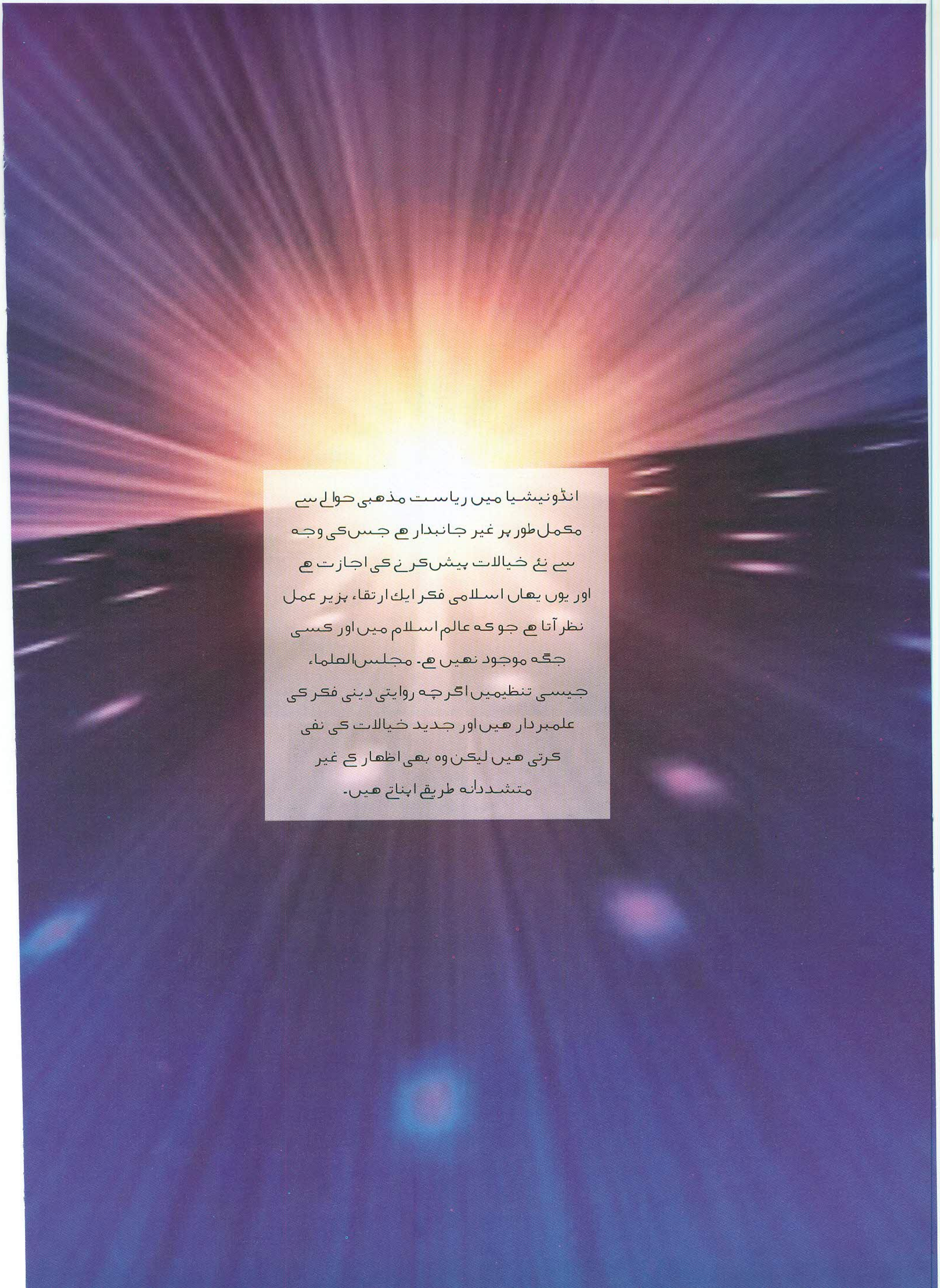

انڈونیشیا میں ریاست مذہبی حوالے سے مکمل طور پر غیر جانبدار ہے جس کی وجہ سے نئے خیالات پیش کرنے کی اجازت ہے اور یوں یہاں اسلامی فکر ایک ارتقاء پزیر عمل نظر آتا ہے جو کہ عالم اسلام میں اور کسی جگہ موجود نہیں ہے۔ مجلس العلماء جیسی تنظیمیں اگرچہ روایتی دینی فکر کی علمبردار ہیں اور جدید خیالات کی نفی کرتی ہیں لیکن وہ بھی اظہار کے غیر متشددانہ طریقے اپناتے ہیں۔

انڈونیشیا میں

اجتہادی روایت کا ارتقا

خورشید احمد ندیم

مذہبی وثقافتی اعتبار سے انڈونیشیا دنیا کے سب سے متنوع ممالک میں سے ایک ہے۔ عالم اسلام میں تو بلاشبہ کوئی دوسرا ملک ایسا نہیں ہے جس میں اتنی نسلی وثقافتی اکائیاں جمع ہوں۔ آبادی کے حوالے سے انڈونیشیا عالم اسلام کا سب سے بڑا ملک ہے۔ ۱۹۹۰ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی کم وبیش 211 ملین نفوس پر مشتمل ہے۔ جس میں مسلمان 87 فیصد، عیسائی 9، ہندو دو اور بدھ مت کے پیروکار ایک فیصد ہیں۔ جہاں تک نسلی ولسانی اکائیوں کا تعلق ہے تو وہ ۳۰۰ تک ہیں۔

۱۹۴۹ء میں انڈونیشیا آزاد ہوا۔ اس سے پہلے یہ ہالینڈ اور پھر چند سالوں کے لیے جاپان کی نوآبادیاتی رہا۔ فکری اعتبار سے دیکھیں تو ۱۹۲۰ء کے بعد ہمیں یہاں مسلمان دو گروہوں میں تقسیم نظر آتے ہیں۔ جنہیں ہم روایت پسند اور جدت پسند کہہ سکتے ہیں۔ ان طبقات کی نمائندگی دو بڑی جماعتیں نہضۃ العلماء اور محمدیہ کرتی ہیں۔ جدت پسندوں کا ظہور بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوا جب مشرق وسطیٰ بالخصوص مصر سے پڑھ کر بعض لوگ وطن واپس آئے۔ محمدیہ کو پہلی جدت پسند جماعت سمجھا جاتا ہے جس کی بنیاد ۱۹۱۲ء میں رکھی گئی۔ یہ سلفی نقطہ نظر کے حامل لوگ ہیں۔ ان کے حلقہ اثر زیادہ تر انڈونیشیا کی شہری آبادی ہے۔ آج ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے اراکین کی تعداد ۳۰ ملین ہے۔ اس کا مرکزی دفتر یوگجکارتہ میں ہے۔

روایت پسند جماعت نہضۃ العلماء ۱۹۲۶ء میں قائم ہوئی۔ اس کے اراکین کی تعداد ۴۰ ملین ہے اور اس کے متاثرین زیادہ تر دیہی آبادی کے لوگ ہیں۔ شہروں میں بھی بہرحال اس سے متاثرہ لوگوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔ اس کا صدر دفتر جکارتہ میں ہے۔ نہضۃ العلماء کا کہنا ہے کہ وہ مسلک اہل سنت والجماعت پر ہے۔ اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ وہ فقہ میں چاروں فقہوں، جب کہ توحید والٰہیات میں ابوالحسن اشعری وابومنصور ماتریدی اور تصوف وروحانیت میں وہ جنید بغدادی اور امام غزالی کے پیروکار ہیں۔ تاہم فقہی معاملات میں ان کا رجحان فقہ شافعی کی طرف ہے۔

سیاسی حوالے سے یہ دونوں گروہ ماشومی کے پلیٹ فارم سے متحرک رہے جو انڈونیشیا کے مسلمانوں کا ایک مشترکہ محاذ تھا اور جو ۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ ماشومی انڈونیشیا میں کمیونزم اور سیکولر قومیتوں کے خلاف سرگرم عمل رہی۔ آزادی کے بعد پہلے صدر سوکارنو نے پنشیلا کے عنوان سے پانچ اصول دیے جو انڈونیشین سیاست وقومیت کی بنیاد بنے اور جنہیں تمام مذاہب کے ماننے والوں نے قومی وحدت کی اساس کے طور پر اختیار کرلیا۔ ماشومی پر جدت پسندوں کا غلبہ تھا۔ روایت پسند مغربی تعلیم وتربیت کے حوالے سے جدت پسندوں سے کم تر تھے اور ماشومی کے پلیٹ فارم پر خود کو کم نمایاں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں نہضۃ العلماء ماشومی سے الگ ہوگئی اور اس نے اپنی سیاسی جماعت بنالی۔ ۱۹۶۰ء میں صدر سوکارنو نے ماشومی پر پابندی لگادی تاہم محمدیہ وغیرہ بعد میں بھی مصروف عمل رہیں۔

۱۹۴۰ء کے آخری دنوں میں انڈونیشیا میں ایک نئے فکری رجحان کا اضافہ ہوا جسے بعض دانشوروں نے نوجدیدیت قرار دیا ہے۔ اس رجحان کے حامل زیادہ تر وہ لوگ تھے جو مغرب کے تعلیم یافتہ تھے اور جنہوں نے انڈونیشیا میں ایک نئے اسلامی فکر کی بنیاد رکھی۔ یہ لوگ نورخالص مجید (م ۲۰۰۶ء) کی طرح انفرادی حیثیت میں سرگرم ہیں اور اسی طرح محمدیہ اور نہضۃ العلماء جیسی تنظیموں میں بھی شامل ہیں جیسے شافعی معارف اور امین رئیس محمدیہ کا حصہ ہیں۔ ان لوگوں کا زیادہ اصرار اجتہاد پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شریعت کے ظاہری لبادے سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی روح اور جوہر پر زیادہ توجہ دی جائے۔

نہضۃ العلماء اور محمدیہ دونوں عملی سیاست سے دور ہیں اور نہضۃ العلماء کے لوگ اس کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ عملی سیاست میں حصہ لینا ان کی غلطی تھی۔ یہ جماعتیں ثقافتی اور سماجی سطح پر سرگرم ہیں اور تعلیم کے ذریعے معاشرے کو بدلنے کی علمبردار ہیں۔ تاہم ان کے لوگ انفرادی حیثیت میں سیاست میں سرگرم ہیں۔ جیسے نہضۃ العلماء کے سابق صدر عبدالرحمٰن واحد انڈونیشیا کے صدر رہے اور محمدیہ کے امین رئیس پارلیمنٹ کے سپیکر رہ چکے ہیں۔ وہ ۲۰۰۴ء کے صدارتی انتخابات میں بھی امیدوار تھے۔

انڈونیشیا فکری اعتبار سے کثیر اور متنوع رجحانات کا حامل ایک ملک ہے۔ دو عوامل ایسے ہیں جنہوں نے انڈونیشیا میں اس فضا کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ایک مذہبی تعلیم میں آنے والی اصلاحات ہیں جو سابق وزیر مذہبی امور مکتی علی جیسے لوگوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں حکومت نے سٹیٹ انسٹی ٹیوشن آف اسلامی سٹڈیز قائم کیے۔ ۱۹۶۰ء میں اس میں مزید اصلاحات کی گئیں اور سیکولر اور مذہبی تعلیم کو جمع کرنے کوشش کی گئی۔ نہضۃ العلماء جیسی تنظیموں کے زیر اہتمام مذہبی تعلیم کے اداروں کا بھی جال بچھا ہوا ہے اور حکومتی اقدامات کے نتیجے میں اس نظام پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

دوسرا عامل مذہبی آزادی ہے۔ انڈونیشیا میں ریاست مذہبی حوالے سے مکمل طور پر غیر جانبدار ہے جس کی وجہ سے نئے خیالات پیش کرنے کی اجازت ہے اور یوں یہاں اسلامی فکر ایک ارتقاء پزیر عمل نظر آتا ہے جو کہ عالم اسلام میں اور کسی جگہ موجود نہیں ہے۔ مجلس العلماء جیسی تنظیمیں اگرچہ روایتی دینی فکر کی علمبردار ہیں اور جدید خیالات کی نفی کرتی ہیں لیکن وہ بھی اظہار کے غیر متشددانہ طریقے اپناتے ہیں۔ انڈونیشیا میں مذہبی فکر جس طرح آگے بڑھ رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے اہل علم ایک ایسی مذہبی تعبیر کی تلاش میں ہیں جو انڈونیشیا کی متنوع ثقافتی و مذہبی زندگی میں قابل عمل ہو۔ نور خالص مجید اس رجحان کو ''اسلامی سیکولرزم'' قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے دلچسپی کا باعث ہے کہ وہاں کی جدید مذہبی فکر پر پاکستانی سکالر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے گہرے اثرات ہیں اور ان کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ انڈونیشیا کے علمی منظر میں نمایاں ترین افراد نور خالص مجید، شافعی معارف اور رئیس امین وغیرہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے براہ راست شاگرد ہیں۔

انڈونیشیا کے کثیر الثقافتی و مذہبی ملک ہونے کی وجہ سے یہاں کے مسلمانوں کو بعض ایسے مسائل درپیش ہیں جن سے دیگر مسلمان معاشرے آشنا نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر بین المذاہب شادیوں کا مسئلہ یا ریاست کے مذہبی تشخص کا معاملہ۔ انڈونیشیا میں جدید اہل علم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ مقامی روایات ''عادت'' اور دینی تعلیمات میں مطابقت قائم کی جائے۔ اس سے جو نتائج فکر مرتب ہوتے ہیں اسے ہم دو تین مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں۔

۱- انڈونیشیا کی تمام اہم مذہبی جماعتوں نے پنچشیلا کو بطور اساسی فلسفہ قبول کر لیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ریاست کو فکری و نظری اعتبار سے سیکولر ہونا چاہیے۔ نہضۃ العلماء اور محمدیہ سمیت دیگر اہم مذہبی طبقات اس پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی بنیادوں پر سیاست کرنے کے خلاف ہیں اور ثقافتی و سماجی سطح پر تعلیم کے ذریعے تبدیلی کے لیے سرگرم ہیں۔

۲- انڈونیشیا کے مقامی رسم و رواج کے مطابق لے پالک کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ جب وراثت میں اس کے حصہ کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس پر انڈونیشیا میں کافی بحث ہوئی۔ اسلام کے قدیم فہم میں چونکہ لے پالک کا کوئی باضابطہ ادارہ موجود نہیں ہے، اس لیے انڈونیشیا کے علماء نے یتیم پوتے کی وراثت کے معاملہ کی توسیع کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ لے پالک والدین کی وراثت میں حصہ دار ہے۔ اور اس طرح والدین اس کی جائیداد میں حصہ رکھتے ہیں ھبہ کے اصول کا اطلاق کرتے ہوئے انہوں نے انڈونیشیا میں یہ قانون بنایا کہ مرنے والے کی ایک تہائی جائیداد میں سے باقی رہنے والے حقدار ہوں گے۔ اس طرح وہاں کی مقامی روایات اور مذہب کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی۔

کچھ ایسا ہی معاملہ بیٹے اور بیٹی کے حصہ کے بارے میں ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق وراثت میں بیٹی کا حصہ بیٹے کے نصف کے برابر ہے۔ انڈونیشیا کے قانون میں یہ مساوی ہے۔ میں نے جب اس بارے میں ایک ملاقات کے دوران میں نہضۃ العلماء کے سابق رہنما اور انڈونیشیا کے سابق صدر عبدالرحمٰن واحد سے پوچھا تو انہوں نے ذاتی تجربے کے حوالے سے اس میں تطبیق کا ذکر کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب انکے والد فوت ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو یہ تجویز دی کہ وہ اپنے حصے سے رضا کارانہ طور پر بہنوں کو اسطرح سے حصہ دے دیں کہ سب کو برابر مل جائے اور پھر اس پر ہی عمل کیا گیا۔

جکارتہ: مہمان مدیر اجتہاد انڈونیشیا کے سابق صدر اور سکالر عبدالرحمٰن واحد کے ساتھ

۳- اسلامی قانون کے مطابق ایک مسلمان مرد کتابیہ عورت سے شادی کر سکتا ہے لیکن مسلمان عورت کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتی۔ انڈونیشیا میں نور خالص مجید جیسے بعض سکالرز نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ بین المذاہب نکاح کی اجازت ہے۔ اس مسئلہ کا خصوصی تعلق انڈونیشیا کی فضا سے ہے جہاں اس نوعیت کے واقعات نسبتاً زیادہ ہیں۔ یہ مسئلہ چونکہ اب مغرب وغیرہ میں مسلمانوں کو درپیش ہے، اس لیے بعض دیگر علماء مثلاً علامہ یوسف القرضاوی اور ڈاکٹر حسن ترابی بھی، اب اس طرح کے نکاح کو بعض شرائط کے ساتھ درست سمجھتے ہیں۔

ان مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انڈونیشیا میں اجتہاد کا عمل کس طرح آگے بڑھ رہا ہے اور وہاں کے اہل علم کس طرح روزمرہ کے مسائل کو شریعت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس طرح وہاں مجلس العلماء جیسے گروہ بھی موجود ہیں جو ان تعبیرات سے اتفاق نہیں کرتے اور وہ بھی معاشرے میں تمام مہذب اور جمہوری طریقوں سے اپنی آواز پہنچا رہے ہیں اور ان سب کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں معاشرے میں فکری ارتقاء اور غور و فکر کا عمل جاری ہے۔